USWA JOURNAL OF RESEAR اُسوہ مجلہ تحقیق
Volume, 05, Issue: 02(July- Dec 2025)
e-ISSN:2790-5535 p-ISSN:2958-0927
Website: https://uswa.com.pk/
2025@ by MANZOOR HUSSAIN licensed under Attribution-Share Alike 4.0 International

بلتستان کی تاریخ وتہذیب پر اسلامی اثرات: ایک تحقیقی مطالعہ

The influence of Islam on the historical, cultural, and social structures of Baltistan

Manzoor Hussain
PhD Scholar, Department of Islamic Thought and Culture NUML Islamabad
Email: manzoormudabberi572@gmail.com

Abstract

This study critically examines the influence of Islam on the historical, cultural, and social structures of Baltistan. Due to its unique historical and geographical context, Baltistan has undergone significant transformation, wherein Islamic teachings profoundly shaped local traditions, social norms, and moral values. Previous studies have primarily focused on the role of early missionaries and Sufi saints, such as Syed Ali Hamdani and his successors, while there remains a lack of comprehensive analysis regarding the broader socio-cultural and contemporary implications of Islamic influence on Baltistani society.Employing a qualitative research approach, this study analyzes historical records, literary works, and scholarly publications to trace the evolution of Baltistan's cultural identity under Islamic impact. The research also considers the influence of contemporary global trends and international NGOs, which have affected youth perceptions and, in some cases, challenged the continuity of Islamic values and traditional cultural practices. Findings reveal that Islam has historically strengthened the moral, spiritual, and social fabric of Baltistan. However, modern global influences and cultural trends pose challenges to preserving traditional Islamic and cultural values among the younger generation. The study highlights the need for educational and community-based strategies to protect Baltistan's Islamic identity while responding to modern socio-cultural changes. It provides a multidimensional view of the region and offers useful insights for scholars, policymakers, and educators on the relationship between religion, culture, and social transformation.

KeyWords: Baltistan, Islamic Influence, Culture and Civilization, Social Transformation, Religious Identity, Global Trends, Youth and Values, Socio-Cultural Evolution,

تعارفِ موضوع

بلتستان پاکستان کے شمالی خطے میں واقع وہ تاریخی و تہذیبی خطہ ہے جس نے مختلف ادوار میں گوناگوں تمدنی، مذہبی اور سیاسی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ خطہ جغرافیائی اعتبار سے قراقرم اور ہمالیہ کے سنگم پر واقع ہونے کے باعث نہ صرف تجارتی راستوں کا مرکز رہا، بلکہ مختلف تہذیبوں اور عقائد کا سنگم بھی رہا ہے۔ اسلام سے قبل یہاں کی غالب تہذیب بدھ مت، بون اور تبتانی رسم و

رواج پر مبنی تھی۔ ان قدیم تہذیبی اثرات کے آثار آج بھی چٹانی نقوش، زبان، قدیم روایات اور مادی ثقافت کی شکل میں موجود ہیں۔ تاہم ساتویں سے بارہویں صدی کے درمیانی دور میں اسلام کی تدریجی آمد نے بلتستان کے فکری، تہذیبی، سماجی اور سیاسی ڈھانچے کو ایک نئی جہت عطا کی، جس نے اس خطے کی مجموعی شناخت کو یکسر تبدیل کر دیا۔

اسلام یہاں کسی فوجی طاقت یا سیاسی غلبے کے ذریعے نہیں آیا، بلکہ صوفیا، مبلغین اور علمی شخصیات کے ذریعے محبت، حکمت اور اخلاقی دعوت کے ساتھ پھیلا۔ نوربخشی سلسلہ، نقشبندی روایت، شیعہ اور سنی مذاہب کا فروغ، اور علما کی علمی و اخلاقی خدمات نے بلتستان کے معاشرے میں مذہبی ہم آہنگی اور فکری استحکام کو جنم دیا۔ اسلامی تعلیمات کا بنیادی محور عدل، مساوات، معاشرتی نظم اور روحانی ارتقاء تھا، جس نے مقامی ثقافت کو نئی معنویت بخشی۔ چنانچہ اس تحقیق کا مرکزی مقصد یہ ہے کہ بلتستان کی تاریخ اور تہذیب پر اسلامی اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ اسلام نے کس طرح اس خطے کی اجتماعی زندگی، سیاسی فکر، تزکیہ و روحانیت، سماجی اقدار اور ثقافتی اظہار کو تشکیل دیا۔[1]

بلتستان کی تاریخی شناخت دو بنیادی مراحل پر مشتمل ہے:

(1) قبل از اسلام کا دور

(2) بعد از اسلام تہذیبی تشکیل کا دور

پہلے دور میں بدھ مت تہذیب کا غلبہ اور تبتانی روایات کے اثرات نمایاں تھے۔ اس دور میں سماجی ترتیب نسبتاً محدود، مذہبی شعائر مقامی نوعیت کے، اور سیاسی تشکیل مقامی سرداروں کے زیرِ اثر تھی۔ تاہم جب اسلام نے یہاں جڑیں پکڑیں تو معاشرتی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ خانوادائی نظام مضبوط ہوا، اخلاقی اقدار نے معاشرتی نظم کو بہتر کیا، عدالتی و قانونی روایت میں اسلامی اصول داخل ہوئے، جبکہ تہواروں، عبادات، رسومات اور روزمرہ زندگی میں اسلامی رنگ نمایاں ہوا۔[2]

اسلام کے اثرات صرف مذہبی نوعیت تک محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے ثقافت، زبان، فنِ تعمیر، شاعری، موسیقی، روایات، مہمان نوازی، معاشرتی ہم آہنگی اور انسانی تعلقات کو بھی متاثر کیا۔ مساجد، خانقاہیں، امام بارگاہیں، درسگاہیں اور صوفی مراکز نے علمی و روحانی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس خطے میں آج بھی اسلام کی یہ تہذیبی تشکیل پوری وضاحت کے ساتھ محسوس کی جا سکتی ہے۔ یہ تحقیق انہی اثرات کو منظم، علمی اور تحقیقی اسلوب میں پرکھنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر اسلامی تہذیب کے اثرات کے مطالعے میں تاریخی شواہد، آثارِ قدیمہ، عوامی روایات، اور تحریری ماخذات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی تناظر میں بلتستان کا مطالعہ نہ صرف مقامی تاریخ کے لیے اہم ہے بلکہ تہذیبی مطالعات (Cultural Studies)، مذہبی بشریات (Religious Anthropology)، اور اسلامی تہذیب کے فروغ کے

عالمی مباحث میں بھی اپنی منفرد اہمیت رکھتا ہے۔اس تحقیق میں خصوصی توجہ اس بات پر دی جائے گی کہ اسلام کی آمد نے کس طرح بلتستان کو تبتانی ثقافت سے اسلامی تہذیب کی طرف منتقل کیا، اور اس عمل کے دوران کون سے سماجی و تہذیبی رجحانات پیدا ہوئے۔

مزید یہ کہ یہ تحقیق بلتستان کے لوگوں کے طرزِ زندگی، رسوم و روایات، مذہبی شعائر، علمی سرگرمیوں، اور سماجی ڈھانچے میں آنے والی تبدیلیوں کو واضح کرتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ تحقیق اس امر کو بھی اجاگر کرے گی کہ اسلامی تہذیب کو کس طرح مقامی ثقافت نے قبول کیا اور اسے اپنے ساتھ ہم آہنگ کیا۔یہی ہم آہنگی ایک منفرد "بلتی-اسلامی تہذیب" کی صورت میں سامنے آئی، جو آج نیز پاکستان اور پورے خطے کی ثقافتی شناخت کا اہم حصہ ہے۔اس طرح یہ تحقیقی مطالعہ بلتستان کی تاریخ، تہذیب اور اسلامی اثرات کے باہمی تعلق کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے، جو نہ صرف علمی اہمیت رکھتا ہے بلکہ مستقبل کی تحقیق کے لیے بھی بنیاد فراہم کرتا ہے۔[3]

بلتستان اپنی تاریخ، تہذیب اور جغرافیہ کے اعتبار سے ایک منفرد خطہ ہے، جہاں اسلام کی آمد نے مقامی معاشرت، ثقافت اور سماجی ڈھانچے پر گہرے اثرات چھوڑے۔تاہم موجودہ مطالعات زیادہ تر تاریخی واقعات یا چند صوفی شخصیات تک محدود ہیں، جب کہ اسلام کے وسیع سماجی و ثقافتی اثرات اور جدید عالمی رجحانات کے تناظر میں بلتستانی معاشرے کی تبدیلی پر جامع تحقیق کا واضح فقدان ہے یہ مطالعہ اسی خلا کو پُر کرنے کی کوشش ہے، تاکہ اسلام کے اثرات، بلتستان کی تہذیبی شناخت، اور جدیدیت کے باعث ہونے والی تبدیلیوں کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔اس تحقیق سے طلبہ، محققین اور ثقافتی ماہرین کے لیے ایک مستند علمی بنیاد فراہم ہوگی، جو خطے کی مذہبی و ثقافتی تشکیل کے مطالعے میں اہم رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

بلتستان کی تاریخ و تہذیب پر موجودہ تحقیق زیادہ تر ابتدائی اسلامی داعیوں اور صوفیاء کے کردار پر مرکوز ہے۔تہذیب و ثقافت سے متعلق اہم کاموں میں محمد حسن حسرت (بلتستان تہذیب و ثقافت)، یوسف حسین آبادی (تاریخِ بلتستان) اور سید محمد عباس کاظمی (بلتی لوک گیت) شامل ہیں، جبکہ غلام حسن لوبسانگ کی The Bon Philosophy خطے کے قدیم مذہبی پس منظر کو واضح کرتی ہے۔اس کے باوجود اسلام کے سماجی و ثقافتی اثرات اور جدید عالمی رجحانات کے تناظر میں بلتستانی معاشرے کی تبدیلی پر جامع تحقیق کا نمایاں خلا موجود ہے، جو اس مطالعے کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔اس مقصد کے لئے ہم نے ان سوالات کو مورد نظر رکھتے ہوئے اپنے تحقیق کو آگے بڑھایا ہے۔اسلام کے آنے سے پہلے بلتستان کی تاریخ اور تہذیب کیا تھیں؟ اسلام نے بلتستان کے سماجی، ثقافتی اور سیاسی نظام پر کس طرح اثر ڈالا؟ عالمی ثقافتی رجحانات کے اثرات موجودہ بلتستانی معاشرے میں کس حد تک محسوس کیے جا رہے ہیں؟

یہ تحقیق توصیفی و تحلیلی اسلوب پر مبنی ہے اور بنیادی طور پر ثانوی ذرائع جیسے کتب، تحقیقی مضامین اور تاریخی دستاویزات کا استعمال کرتی ہے۔ تحقیق میں بلتستان کی تاریخ، تہذیب اور اسلامی اثرات کو موضوعی تجزیہ کے ذریعے سمجھا گیا ہے۔ مواد کا تجزیہ علمی، ثقافتی اور سماجی پہلوؤں کے مطابق کیا گیا ہے۔ تحقیق کی محدودیت یہ ہے کہ جدید رجحانات اور اثرات کی پیمائش موضوعی نوعیت کی ہے اور میدانی ڈیٹا محدود ہے

بلتستان کی مختصر تاریخ

بلتستان کی تاریخ قبل از تاریخ کے ادوار تک جا پہنچتی ہے۔ مختلف روایات کے مطابق تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح کے دوران اس خطے پر ایک عظیم فاتح کی حکمرانی رہی جسے وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ "دیوتا کا پنا کیسر" کہا جانے لگا اور دیومالائی حیثیت عطا ہوئی۔ اس کے بعد بلتستان کی تاریخ صدیوں تک گمنامی کا شکار رہی۔ تاہم متعدد تاریخی حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی قبل مسیح میں ایران کے ہخامنشی شہنشاہ کوروش کبیر (Cyrus the Great) نے ترکستان فتح کرنے کے بعد کوہ قراقرم کے راستے برصغیر پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ اس مہم کے دوران انہوں نے دریائے سندھ کے بالائی علاقوں، جن میں موجودہ بلتستان شامل تھا، کو فتح کیا، تاہم سخت جغرافیائی حالات کے باعث ان کی افواج نے پیش قدمی سے انکار کر دیا، جس پر کوروش کو واپسی اختیار کرنی پڑی۔ بعد ازاں بلتستان اور گلگت کے علاقے طویل عرصے تک ایرانی سلطنت کے زیر تسلط رہے، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ دستیاب شواہد کے مطابق چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی سے بلتستان اور گلگت کی تاریخ نسبتاً تسلسل کے ساتھ دستیاب ہے۔ قدیم تحریروں میں بلتستان کو "پلولو"، "پلور"، "بلور کلاں"، اور گلگت کو "بلور خورد" یا "بروشال" کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اس دور میں یہاں پلولا شاہی خاندان کی حکمرانی قائم تھی، جس کی سلطنت مشرق میں لداخ سے لے کر مغرب میں بالائی چترال تک وسیع تھی۔[4]

727 عیسوی میں تبت کے بادشاہ پرلونگ پاسوگ ال دے ستن نے بلتستان پر حملہ کر کے اسے فتح کیا، جس کے نتیجے میں پلولا شاہی خاندان کا خاتمہ ہوا۔ تبت کے حکمرانوں نے تقریباً 850 عیسوی تک بلتستان اور بروشال پر اپنی حکومت قائم رکھی۔ تاہم تبت کے آخری بادشاہ لنگ دھرما کے قتل کے بعد تبت میں خانہ جنگی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں بلور کلاں (بلتستان) اور بلور خورد (گلگت) تبت کے اثر سے آزاد ہو گئے۔ اس کے بعد بلتستان میں مختلف سرداروں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں اور طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ تیرہویں صدی کے اوائل میں ایرانی النسل ابراہیم شاہ نے سکردو آ کر مقامی قبیلے "شگری پا" میں شادی کی اور خاندانِ مقپون کی بنیاد رکھی۔ وادی خپلو میں ترکستان سے آئے ایک مفرور نوابزادے بیگ منتھل نے حکومت قائم کی، جس کی نسل "یبگو" کہلائی۔ اسی طرح ہنزہ کے ہمچانگ قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان شگر پہنچ کر وہاں کا حاکم بنا اور اس کی نسل "اماچا" کہلائی۔[5]

سولہویں صدی کے اوائل میں سکردو کے مقپون خاندان میں علی شیر خان انچن جیسا عظیم حکمران پیدا ہوا۔ اس نے اپنے اقتدار کو پورے بلتستان تک وسعت دی اور مشرق میں لداخ اور جھیل مانسرور تک، جبکہ مغرب میں گلگت اور چترال تک فتوحات حاصل کیں۔ اس کے تعلقات برصغیر کے شہنشاہ اکبر اور جہانگیر سے استوار بھی رہے اور کشیدہ بھی۔ علی شیر خان نے ایران کے صفوی بادشاہ شاہ عباس اعظم سے بھی روابط قائم کیے۔ اس کے عہد کو بلتستان کی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ تہذیب، ثقافت، صنعت اور حرفت میں بلتستان نے غیر معمولی ترقی کی۔ اسی دور میں سکردو میں قلعے، باغات، سرپارہ جھیل پر بند، اور دفاعی فصیلیں تعمیر ہوئیں، جن کے آثار آج بھی علی شیر خان کی عظمت کے گواہ ہیں۔ علی شیر خان انچن کی وفات کے بعد مقپون خاندان اندرونی خلفشار کا شکار ہوا۔ بالآخر 1840 عیسوی میں مہاراجہ جموں گلاب سنگھ کی ڈوگرہ افواج نے بلتستان پر قبضہ کر لیا اور مقپون خاندان کا اقتدار ختم ہو گیا[6]۔ سنہ 1948 عیسوی میں بلتستان کے عوام نے ڈوگرہ حکمرانی کے خلاف جدوجہد کر کے آزادی حاصل کی اور اس کے بعد سے یہ علاقہ پاکستان کے زیر انتظام ہے۔[7]

بلتستان کی قدیم تہذیب اور تمدن

بلتستان کا خطہ، جو صدیوں تک اپنی مخصوص جغرافیائی حیثیت، مقامی رسوم و رواج، اور قدرتی معیشت کی بنیاد پر ایک الگ اور خود کفیل تمدن کا حامل رہا ہے، دنیا کے ان خطوں میں شمار ہوتا ہے جہاں انسانی زندگی فطرت سے ہم آہنگ ہو کر نشوونما پاتی رہی۔ اس علاقے کے باشندوں نے اپنے ارد گرد کے جغرافیائی حالات اور موسمی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسا سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ تشکیل دیا تھا جو ان کی ضروریات کو بدرجہ اتم پورا کرتا تھا۔ یہ تمدن کسی بیرونی حکومت یا فوجی دباؤ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ قدرتی ارتقا کا شاہکار تھا۔ مقامی زراعتی پیداوار، جیسے گندم، جو، مکئی اور مقامی پھل، لوگوں کی بنیادی خوراک کا ذریعہ تھے، جو کہ مکمل طور پر نامیاتی (Organic) اور صحت بخش تھیں۔ مقامی صنعتوں میں اون سے تیار کردہ لباس شامل تھے جو سرد و گرم موسم میں آرام دہ اور موزوں ہوتے تھے۔ اسی طرح مکانات بھی مقامی مواد، مثلاً پتھر، لکڑی اور مٹی سے تعمیر کیے جاتے تھے جو شدید سردی اور سخت گرمی دونوں کے مقابلے میں موزوں پناہ گاہ فراہم کرتے تھے۔ زرعی نظام میں مقامی آبپاشی کا ایک مربوط اور باقاعدہ نظام قائم تھا۔ نہروں (کوہلوں) کی تقسیم، مرمت، اور پانی کے استعمال میں باری کا نظام موجود تھا۔ اسی طرح، مویشیوں کی چراگاہوں کا انتظام بھی مشترکہ طور پر کیا جاتا تھا، جس سے زراعت اور مالداری دونوں محفوظ اور مستحکم رہتے تھے۔[8]

سماجی زندگی کی خوبصورتی

معاشرتی لحاظ سے، یہاں کے لوگ محنت، دیانت داری، سادگی اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں مشہور تھے۔ ہر فرد اپنی محنت کو عزت سمجھتا تھا اور کاہلی کو ذلت جانتا تھا۔ گاؤں کی سطح پر اجتماعی تعاون ایک بنیادی قدر تھی۔ کھیتی باڑی کے موسم میں تمام مرد و

خواتین باری باری ایک دوسرے کی مدد کرتے، گیت گاتے اور محفلوں میں مل کر دن کا اختتام کرتے۔ شام کو "لچنگرا" یا "بیاک" جیسی چوپالوں میں جمع ہو کر دن بھر کے کام، تنازعات اور معاملات زیرِ بحث آتے اور باہمی محبت اور تعاون کو فروغ ملتا۔ بزرگ اپنے تجربات اور کہانیاں نوجوانوں کو سناتے، جس سے نسلی وراثت اور ثقافت کا تسلسل برقرار رہتا۔ اس طرح یہ معاشرہ محبت، ہمدردی، عزت اور باہمی احترام کے اصولوں پر استوار تھا۔[9]

ڈوگرہ دور کی جھلک

ڈوگرہ حکمرانوں کا دور، اگرچہ جبر و ستم سے عبارت رہا، تاہم چند ایسے کارہائے نمایاں بھی انجام دیے گئے جنہیں تاریخ میں مثبت انداز میں یاد کیا جانا چاہیے۔ ڈوگروں نے خطے کا باقاعدہ سروے کروایا، زمینوں کا ریکارڈ مرتب کیا اور محکمہ مال کا ایک مضبوط نظام قائم کیا، جس کی بدولت آج بھی زمینوں کے حقوق کا تحفظ ممکن ہے۔ اگرچہ ظلم واستبداد کے پہلو غالب رہے، مگر حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ ان مثبت پہلوؤں کو بھی تسلیم کیا جائے۔

قدیم بلتستان کی تہذیب اور تمدن

بلتستان بشمول گلگت کے علاقے اپنے جغرافیائی محل وقوع، قومی مزاج اور مقامی حالات کے تحت صدیوں سے ایک مخصوص تہذیب و تمدن، خود ساختہ اقتصادی و معاشرتی نظام کے حامل رہے ہیں۔ یہ نظام کسی بیرونی حکومت یا طاقت کی طرف سے مسلط شدہ نہ تھا بلکہ مقامی ضروریات، ماحول اور تاریخ کے تقاضوں کے مطابق فطری طور پر پروان چڑھا تھا۔

یہاں کے باشندے اپنی خوراک خود اگاتے تھے، جو نہایت مفید اور صحت بخش ہوتی۔ مقامی اون سے تیار شدہ لباس موسم کی شدتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بہترین ہوتا۔ گھروں کی تعمیر بھی مقامی آب و ہوا اور موسمی تقاضوں کے مطابق کی جاتی تھی، جو سردی، گرمی اور برفباری میں اطمینان بخش رہائش فراہم کرتے تھے۔

زراعت کے لئے نہایت مؤثر آبپاشی کا نظام موجود تھا، جہاں نہریں اور کوہلیں مقامی اشتراک اور باری کے اصول پر چلتی تھیں۔ دیہاتوں میں مال مویشیوں کو پالنے کے لئے باقاعدہ نظام رائج تھا، جو مقامی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا تھا۔

معاشرتی سطح پر لوگ محنتی، خوددار اور سادہ دل تھے۔ معاشرت میں محبت، ایثار، باہمی تعاون، اور غیبت و حسد سے پاک ماحول پایا جاتا تھا۔ فصلوں کی کاشت اور کٹائی میں اجتماعی شرکت رائج تھی، اور گاؤں کی چوپال (لچنگرا یا بیاک) میں روزمرہ کے مسائل افہام و تفہیم سے حل کیے جاتے تھے[10]۔

ڈوگروں کا دور اور مثبت اقدامات

ڈوگروں کے دور حکومت میں اگرچہ عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، تاہم چند مثبت کام بھی انجام پائے۔ انہوں نے لداخ، بلتستان اور گلگت کا جامع سروے کروا کر زمینوں کا بندوبست (اراضی ریکارڈ) ترتیب دیا، جس پر آج بھی ان علاقوں کی ملکیتی دعوے اور قانونی معاملات کی بنیاد قائم ہے۔

ڈوگرہ حکمرانوں کی جانب سے مال گزاری اور اراضی کا جو ریکارڈ ترتیب دیا گیا، وہ اس دور کی تکنیکی صلاحیتوں کے تناظر میں ایک بڑی کامیابی تھا۔ بدقسمتی سے آج بھی مقامی محکمہ مال ڈوگرہ دور کے بنائے ہوئے ان ریکارڈز پر انحصار کرتا ہے۔

بلتستان کی جغرافیائی، ثقافتی اور مذہبی اہمیت

بلتستان پاکستان کے شمالی علاقے میں واقع ہے، جو اپنی قدرتی خوبصورتی، تاریخی ورثے اور منفرد ثقافت کی وجہ سے عالمی سطح پر شہرت رکھتا ہے۔ بلتستان کی سرحدیں شمال میں چین سے ملتی ہیں، مغرب میں کشمیر اور جنوب میں گلگت بلتستان کے دیگر علاقے ہیں۔ بلتستان کوہ قراقرم اور کوہ ہمالیہ کے درمیان واقع ہے، جو اسے بلند پہاڑوں اور وسیع میدانوں کا مرکز بناتا ہے۔ اس علاقے کی اہمیت اس کی جغرافیائی حیثیت میں پوشیدہ ہے، کیونکہ یہاں دنیا کے بلند ترین پہاڑوں میں شامل کے ٹو، گشابروم، اور مشابرم واقع ہیں۔ بلتستان کا مرکزی شہر سکردو ہے، جو اس علاقے کی انتظامی اور ثقافتی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ بلتستان کے دیگر اہم اضلاع میں خپلو، شگر، کھرمنگ، اور روندو شامل ہیں، جو اس علاقے کی قدرتی اور ثقافتی ورثے کی حفاظت کرتے ہیں۔

بلتستان کے اضلاع اور ان کی اہمیت

بلتستان، جو گلگت بلتستان کا ایک انتہائی خوبصورت اور جغرافیائی لحاظ سے اہم علاقہ ہے، آج پانچ بڑے اضلاع پر مشتمل ہے۔ ہر ضلع اپنے مخصوص جغرافیائی، تاریخی، ثقافتی اور سیاحتی پس منظر کے اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ذیل میں ان اضلاع کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے[11]

ضلع سکردو: ایک تعارفی جائزہ

ضلع سکردو، گلگت بلتستان کا ایک مرکزی اور جغرافیائی، ثقافتی و مذہبی لحاظ سے اہم ضلع ہے جو سطح سمندر سے تقریباً 2,500 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ ضلع دریائے سندھ کے کنارے واقع ہونے کے سبب تاریخی، زرعی اور ماحولیاتی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ سکردو شہر بلتستان کا انتظامی و سیاحتی مرکز ہے اور یہاں سے قراقرم اور ہمالیہ کے عظیم پہاڑی سلسلوں تک رسائی ممکن ہے۔ اسکردو بلتستان کا نہ صرف سب سے بڑا شہر ہے بلکہ انتظامی، تجارتی اور سیاحتی لحاظ سے بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ضلع اپنی جغرافیائی پوزیشن

کے اعتبار سے وادی بلتستان کا دل تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں کا اسکردو ایئرپورٹ علاقے کو ملک کے دیگر حصوں سے جوڑنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔[12]

سیاحتی مقامات میں شنگریلا ریزورٹ، کچورا جھیلیں، دیوسائی میدان اور سکردو فورٹ شامل ہیں، جو اسے سیاحوں کا مرکز بناتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اسکردو ہمیشہ بلتستان کے سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں کا محور رہا ہے۔ سکردو کی خوبصورتی نہ صرف اس کے قدرتی مناظر میں ہے بلکہ یہاں کے باشندوں کی مہمان نوازی، مذہبی رواداری، اور ثقافتی ورثہ بھی اس علاقے کو ممتاز بناتے ہیں۔

ضلع خپلو (گانچھے) کا تعارف

ضلع خپلو، جسے باضابطہ طور پر ضلع گانچھے کہا جاتا ہے، گلگت بلتستان کا ایک سرسبز، پُرامن اور قدرتی حسن سے مالامال ضلع ہے، جو بلتستان ریجن کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ ضلع پاکستان کا آخری مشرقی ضلع ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اور لائن آف کنٹرول (LOC) کے قریب واقع ہونے کے باعث جغرافیائی، دفاعی اور سفارتی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ اس ضلع کا صدر مقام خپلو ہے، جو اپنی تہذیب، ثقافت، صوفی روایت، اور جغرافیائی حسن کی وجہ سے دنیا بھر کے سیاحوں اور محققین کے لیے ایک پرکشش مقام ہے۔ خسا ص طور پر خپلو فورٹ (خپلو راجہ محل) اور چقچن مسجد وغیرہ

وادی شگر

گلگت بلتستان کے ضلع شگر کی مرکزی وادی ہے، جو نہ صرف قدرتی مناظر، ثقافتی عظمت اور روحانی فضا سے مالامال ہے، بلکہ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو (K2) تک رسائی کا سب سے اہم دروازہ بھی ہے۔ یہ وادی دریائے شگر کے کنارے واقع ہے، جو خود دریائے سندھ کا ایک بڑا معاون دریا ہے۔ خاص طور پر شگر فورٹ دیکھنے کے قابل ہے۔

ضلع کھرمنگ

ضلع کھرمنگ گلگت بلتستان کا ایک سرحدی اور انتہائی اہم ضلع ہے جو قدرتی حسن، تاریخی ورثے، ثقافتی تنوع اور جغرافیائی اہمیت کے اعتبار سے نمایاں مقام رکھتا ہے۔ 2015 میں انتظامی طور پر ضلع سکردو سے الگ کر کے اسے باقاعدہ ضلع کا درجہ دیا گیا۔ اس کا صدر مقام "تھو" ہے جو یہاں کا مرکزی انتظامی مرکز بھی ہے۔ جس میں سے منٹھوکھا آبشار، کھرمنگ قلعہ وغیرہ۔

ضلع روندو

گلگت بلتستان کے مشرقی خطے میں واقع ضلع روندو قدرتی مناظر، تاریخی اہمیت، ثقافتی رنگارنگی اور جغرافیائی تنوع کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہ ضلع 2019 میں سکردو سے الگ ہو کر ایک نیا انتظامی یونٹ بنا، جس کا صدر مقام "تھورگو" ہے۔ روندو کو دریائے سندھ کے کنارے بسا ہوا ایک طویل وادی سمجھا جاتا ہے، جو مختلف چھوٹی بڑی وادیوں اور دیہاتوں پر مشتمل ہے۔[13]

بلتستان کی تاریخ اور ثقافت

بلتستان میں علوم وفنون کا آغاز

اہلِ بلتستان نے اسلامی علوم وفنون کے حصول میں جس سنجیدگی اور یکسوئی کا مظاہرہ کیا، وہ وسطی ایشیا کی علمی تاریخ میں ایک منفرد مثال رکھتا ہے۔ اگرچہ بلتستان ایک قبائلی اور محدود وسائل کا حامل علاقہ ہے، تاہم یہاں کے باشندوں نے اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دینی علوم کے مطالعے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اسلام کی آمد سے قبل بلتستان میں باقاعدہ علمی سرگرمیوں کا کوئی مضبوط نظام موجود نہ تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہاں کے لوگ عمومی طور پر جنگجو مزاج رکھتے تھے اور مسلسل خطرات کے پیشِ نظر خود اپنی بقاء کی حفاظت میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی حکمران (راجے) اور امراء عوام کو تعلیم سے محروم رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے تاکہ ان کی سیاسی برتری قائم رہ سکے۔[14]

چودھویں صدی عیسوی میں جب ایرانی مبلغین کی کاوشوں سے اسلام بلتستان میں متعارف ہوا، تو اس کے ساتھ ہی یہاں علم وفنون کے فروغ کا آغاز بھی ہوا۔ اس عمل کو اس وقت مزید تقویت ملی جب بلتستان کے نامور حکمران راجہ علی شیر خان انچن کو مغل دربار تک رسائی حاصل ہوئی۔ دہلی سے وہ مختلف پیشہ ور افراد جیسے معمار، جولاہے، بڑھئی، زرگر، موچی، اور دیگر فنکار بلتستان لائے، جنہوں نے یہاں کے طرزِ تعمیر اور صنعت و حرفت کو نئی جہت عطا کی۔ اسی اثرات کی جھلک آج بھی خانقاہوں، امام بارگاہوں اور قدیم قلعوں میں دیکھی جاسکتی ہے، جن پر مغلیہ طرزِ تعمیر کا گہرا اثر موجود ہے۔ اسی طرح موسیقی کے میدان میں بھی بلتستان کے باشندے دہلی سے تربیت یافتہ نقارچیوں کی مدد سے متعدد روایتی دُھنیں اور آلات سیکھ کر واپس لائے۔ ہنر مند افراد کے مطابق ان دُھنوں یا "حریب" کی تعداد سات تھی، تاہم آج ان کی مکمل فہرست اور ماہرین ناپید ہو چکے ہیں[15]۔

اگرچہ آزادی سے قبل بلتستان میں کوئی باضابطہ دینی درسگاہ قائم نہ تھی، تاہم ایران اور کشمیر سے آنے والے چند علمانے یہاں کے علمی ماحول میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ان علما کی قیام گاہیں درس وتدریس کا مرکز بنیں، جہاں قرآن، فقہ اور دیگر اسلامی علوم کی تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں سے چند ممتاز علما کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: ابوالحسن تحسین، شہاب الدین ثاقب، شیخ جواد ناصر الاسلام، آقائے سید علی کریس، سید شاہ عباس شکر، سید فضل شاہ نمبر کے دو، اور شیخ علی گنگولی۔ ان علمانے اپنی علمی اور تبلیغی سرگرمیوں سے علاقے میں دینی شعور کو بیدار کیا، اور ان کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

بلتستان میں دینی ودنیاوی تعلیم کی صورت حال اور آغاز

بلتستان میں اسلامی علوم کی تدریس کے آغاز کے بعد رفتہ رفتہ قریہ قریہ مذہبی تعلیم کا نظام قائم ہوا، جس کی بنیاد مقامی ملاّؤں اور اخوندوں نے رکھی۔ ابتدائی طور پر وہاں نظیر، حدیث، فقہ، اور فارسی ادب کے مشہور نصاب جیسے گلستان و بوستان، کیمیائے سعادت

اور تنبیہ الغافلین جیسے رسائل پڑھائے جاتے تھے۔اس تدریسی نظام نے مقامی سطح پر علمی ذوق اور فکری رجحانات کو جنم دیا، جس کے نتیجے میں بلتستان میں ادب، شاعری،اور دینی مطالعے کے رجحانات میں اضافہ ہوا۔

اس علمی بیداری کے اثرات سے بلتستان نے کئی ممتاز شعرا پیدا کیے، جن کی تخلیقات زیادہ تر مذہبی،اخلاقی اور صوفیانہ موضوعات پر مرکوز تھیں۔ جیسے جیسے علم کی جستجو میں اضافہ ہوتا گیا، ویسے ویسے یہاں کے باذوق طلباء حصولِ علم کے لیے، سعودی عربیہ، مصر، ایران و عراق جیسے علمی مراکز کی طرف بھی متوجہ ہونے لگے۔اس رجحان کا نتیجہ یہ نکلا کہ بلتستان میں علمائے دین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے،اور آج بھی بلتی معاشرہ اپنے دینی و سماجی معاملات میں انہی علما کے زیرِاثر ہے۔

موجودہ دور میں بلتستان کے تقریباًہر گاؤں میں ایک نہ ایک اسلامی مدرسہ قائم ہے،تاہم اکثر مدارس وسائل کی کمی، جدید تعلیمی تقاضوں سے عدم مطابقت اور پیشہ ور اساتذہ کی قلت کے باعث مطلوبہ نتائج دینے میں ناکام رہے ہیں۔ دوسری جانب، مروجہ (سیکولر) تعلیم کی صورت حال پاکستان کے قیام سے قبل نہایت محدود تھی۔اس وقت بلتستان میں محض ایک ہائی اسکول اور چند ابتدائی تعلیمی ادارے موجود تھے۔اعلیٰ تعلیم کے لیے طالب علموں کو سخت موسمی حالات، دشوار گزار پہاڑی راستوں اور مالی تنگی کے باوجود کشمیر جاناپڑتاتھا،جو ہر فرد کے بس کی بات نہ تھی۔[16]

بلتستان میں فنِ تعمیر، مساجد، امام بارگاہیں اور روایتی دستکاری کا ورثہ

بلتستان کا خطہ نہ صرف دینی و علمی حوالوں سے ممتاز ہے بلکہ یہاں کے روایتی فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر بھی تاریخی اور تہذیبی اہمیت کے حامل ہیں۔ بلتستان کے مختلف علاقوں میں موجود سینکڑوں مساجد، امام بارگاہیں اور خانقاہیں اس امر کی گواہی دیتی ہیں۔ان مذہبی عمارتوں میں فنِ پنجرہ سازی (لکڑی کے جالی نما پردے)، "خَتُم بام" (چھتوں کی مخصوص بناوٹ)، جعفری (خانہ نما نقوش)، چوب کاری (لکڑی پر کندہ کاری)، مبرَزاور میراِ جیسے فنون دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں[17]۔

بلتستان کے ماہر کاریگر جنہوں نے صدیوں پرانی عمارتیں تعمیر کیں،ان کے فن کا عکس آج بھی نگر اور ہنزہ کی قدیم تعمیرات میں جھلکتا ہے۔ان علاقوں میں موجود نہر والست اور بات کے مقام پر تعمیر شدہ قلعہ جات بلتی فن تعمیر کی یادگاریں ہیں، جن میں خوبصورتی، جلال،اور پائیداری کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ان میں سے بعض تعمیرات محمد غنی ندرت جیسے کاریگروں کی محنت کا نتیجہ ہیں جو آج بھی فن کے شائقین کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔[18]

بلتستان کے عوام کو یہ تہذیبی اور فنی ورثہ چودھویں صدی عیسوی میں ایران سے آئے ہوئے مبلغین کے ذریعے نصیب ہوا، جب اسلام اس خطے میں راسخ ہونے لگا۔[19] پندرھویں صدی عیسوی میں علی شیر خان انچن کی حکومت کے دوران اس فن کو مزید فروغ حاصل ہوا۔تاریخی روایات کے مطابق، علی شیر خان انچن کے مغل شہنشاہ اکبر اعظم سے تعلقات قائم ہوئے،اور اس کی بیٹی کی

شادی شہزادہ سلیم (بعدازاں شہنشاہ جہانگیر) سے ہوئی۔ اکبر اعظم کی چچازاد بہن کمل خاتون کی شادی علی شیر خان سے ہوئی، جو دہلی سے ہنر مند معمار اور اہلِ فن کو اپنے ساتھ بلتستان لائیں۔ ان معماروں نے بلتستان میں مغلیہ طرزِ تعمیر کو متعارف کروایا۔

یوں بلتستان کا فنِ تعمیر ایرانی، مغلیہ، تبّتی اور کشمیری طرز کا حسین امتزاج بن گیا، جو کئی صدیوں تک قائم رہا۔ تاہم 1840ء میں جب ڈوگرہ حکمرانوں نے اس خطے پر قبضہ کیا تو یہ روایتی طرزِ زندگی اور فنونِ لطیفہ زوال پذیر ہونے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نہ صرف فنکار مٹنے لگے بلکہ اس فن سے متعلق الفاظ و اصطلاحات بھی فراموش کر دی گئیں۔

بلتستان کا ایک اور اہم پہلو اس کے روحانی اور مذہبی مقامات ہیں۔ اس خطے میں اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کے کئی مزارات موجود ہیں جنہیں مقامی طور پر "آستانہ" کہا جاتا ہے۔ بلتستان کے مختلف علاقوں میں کربلائے معلیٰ کی مناسبت سے زیارت گاہیں تعمیر کی گئی ہیں جنہیں "قتلگاہ" کہا جاتا ہے۔ ان مقامات پر آج بھی لوگ حاضر ہو کر نذر و نیاز پیش کرتے اور مرادیں مانگتے ہیں۔

بلتستان: تبت اور چین کے تاریخی، تہذیبی و معاشرتی اثرات

بلتستان کی قدیم تاریخ کے بعض پہلوؤں کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے کیونکہ بہت سے تاریخی شواہد اور مستند اسناد دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم، جو حقائق متواتر روایات اور بعض مستند حوالوں میں موجود ہیں، ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلتستان ازمنۂ قدیم میں نسلی، لسانی، جغرافیائی اور تہذیبی اعتبار سے تبت کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ اسی نسبت سے تاریخی کتابوں میں اسے "تبتِ خُورد" (چھوٹا تبت) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔[20]

یہ بات بھی مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ تبت ایک قدیم تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ تبت، لداخ اور بلتستان صدیوں تک ایک متحد تہذیبی و ثقافتی وحدت کے طور پر موجود رہے، اور ان کے مابین نہ تو لسانی اختلافات پائے جاتے تھے اور نہ ہی مذہبی یا معاشرتی سطح پر نمایاں تفریق دکھائی دیتی تھی۔ تاہم، جب بلتستان میں اسلام کی آمد ہوئی اور اس نے یہاں کی فضا کو منور کیا، تو تبت کے ساتھ اس کا وہ قدیم رشتہ تدریجاً کمزور پڑتا گیا، یہاں تک کہ لسانی و ثقافتی سطح پر نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

بلتستان کے تہذیبی ارتقاء کے ایک اور اہم پہلو کا تعلق چین کے تاریخی اثر و نفوذ سے ہے۔ چینی تاریخ کے مطابق 400تا600 قبل مسیح کے دوران چو (Chou) خاندان برسرِاقتدار رہا، جس نے قدیم چینی ریاستوں کو متحد کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ انہی سیاسی اور عسکری سرگرمیوں کے نتیجے میں تبت، لداخ اور بلتستان سمیت بعض دیگر سرحدی علاقے چین کے دائرۂ اثر میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد ساتویں تا دسویں صدی عیسوی کے درمیانی عرصے میں تانگ (Tang) خاندان نے چین میں اقتدار سنبھالا۔ اس خاندان نے اپنا سیاسی و انتظامی نظام قراقرم اور ملحقہ وادیوں تک وسعت دی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب چینی طرزِ حکومت، تقویم (کیلنڈر)، معاشرتی نظم ونسق اور مختلف روایات نے بلتستان کی مقامی ثقافت پر اپنا گہرا اثر چھوڑا۔

آج بھی بلتستان کی تہذیب میں چینی اثرات کی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ان میں مخصوص چوتوس، ترانگ نظام، اصولِ تقویم، اور بعض رواجی و قبائلی ڈھانچے شامل ہیں جو بلتستانی معاشرت میں رائج رہے۔ یہ تمام عناصر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ بلتستان نے ایک طویل عرصہ چینی سیاسی و تہذیبی اثرات کے زیرِ سایہ گزارا[21]۔

بلتستان کی جغرافیائی وزرعی اہمیت اور دیومالائی پس منظر

سکردو کے جنوب میں واقع سطح مرتفع دیوسائی (Deosai Plains) پاکستان کا ایک مشہور اور دیومالائی علاقہ ہے۔ یہ سطح مرتفع دنیا کے بلند ترین سبزہ زاروں میں شمار ہوتا ہے، جو تقریباً 4,114 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ گرمیوں کے موسم میں یہاں ہزاروں اقسام کی خودرو جڑی بوٹیاں اور رنگ برنگے پھول اگتے ہیں جو اس خطے کو جنت نظیر بناتے ہیں[22]۔

بلتستان کے مختلف علاقوں میں قدرتی گرم پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں۔ یہ چشمے وادی شگر، چھوترون، بیسل، چونگو چھتو، رondو، طورمک، نالۂ تریکو، نیل بو، بروید، شینگوس، نالہ کوندوس، چھوٹو، گرونگ اور خورکن میں واقع ہیں۔ان میں سے چھوترون اور بیسل کے چشمے نہایت معروف ہیں جن کے پانی میں گندھک کی مخصوص بو پائی جاتی ہے۔ان چشموں کا پانی جلدی امراض اور ہاضمے کی بیماریوں کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے اور دور دراز سے لوگ اس کا علاج کرنے آتے ہیں۔

بلتستان میں بہنے والا دریائے سندھ پاکستان کا سب سے بڑا دریا ہے، جسے بلتی زبان میں "سینگے چھو" (یعنی "شیر دریا") کہا جاتا ہے۔ یہ دریا تبت کے مغرب میں کوہ کیلاش کے دامن میں جھیل مانسرور سے نکلتا ہے۔ بعد ازاں یہ لداخ پہنچتا ہے جہاں دریائے زانسکار اس میں شامل ہوتا ہے۔ مورول کے مقام پر اس میں دریائے سرفنگھو، شگر، پھلٹو، سورو، واکھا اور سکردو کے مقام پر دریائے شیوک اور شکر شامل ہو جاتے ہیں۔[23] ان کے علاوہ سینکڑوں چھوٹے بڑے ندی نالے بھی اس کے معاون بنتے ہیں، جو پاکستان کے زیریں علاقوں کو سیراب کرتے ہیں۔

بلتستان ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کی زمین میں ریت کی مقدار زیادہ اور زرخیز مٹی کی مقدار کم ہے۔ ہوا کی خشکی اور بارش کی کمی کے سبب یہاں آبپاشی کے بغیر زراعت ممکن نہیں۔ زراعت کا انحصار قدرتی چشموں، برفانی پانی، اور مصنوعی گلیشیئر پر ہے۔ بلتستان کا کل زیرِ کاشت رقبہ تقریباً 20,000 ہیکٹر ہے۔[24]

بلتستان کے تفریحی اور تاریخی مقامات میں سکردو کا قلعہ "کھرپوچو"، قلعہ "رابہ چلو"، سدپارہ جھیل، کچورا جھیل، شنگریلا، وادی شگراور سطح مرتفع دیوسائی شامل ہیں۔ عوامی تصورات کے مطابق، شنگریلا ایک خیالی جنت تھی جو ہمالیہ کی وادیوں میں واقع تھی۔ یہ خیال ہے کہ یہ جنت گناہوں کی کثرت کے باعث غائب ہوگئی، مگر بعدازاں ایک فاضل شخص نے اس مقام کو دوبارہ دریافت کیا۔ آج یہ سیاحوں کے لیے پرکشش مقام ہے[25]۔

عالمی ثقافتی رجحانات کے اثرات موجودہ بلتستانی معاشرے

بلتستان جو تاریخی طور پر مذہبی، تہذیبی اور اخلاقی استحکام کا حامل خطہ رہا ہے، موجودہ دور میں تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی ثقافتی رجحانات کے زیرِاثر نئی سماجی، فکری اور تہذیبی تبدیلیوں سے گزر رہا ہے۔ گلوبلائزیشن نے ذرائع ابلاغ، ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، تعلیم، معاشرتی میلانات اور طرزِ زندگی کو اس طرح بدل دیا ہے کہ مقامی سطح پر نسلِ نو کی سوچ اور طرزِ فکر پر نمایاں اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ یہ اثرات کبھی مثبت اور تعمیری رخ رکھتے ہیں، تو کبھی مذہبی و اخلاقی اقدار کے لیے چیلنج بھی بن جاتے ہیں۔

میڈیا اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے اثرات

نوجوان یوٹیوب، فیس بک، انسٹاگرام اور ٹک ٹاک جیسے پلیٹ فارمز کے ذریعے عالمی ثقافت سے براہِ راست جڑ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لباس، کھانے، فیشن اور زبان میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آرہی ہے۔ نئی نسل مذہبی و اخلاقی قدروں کے بجائے مغربی ثقافتی ماڈلز کو زیادہ پُرکشش سمجھنے لگی ہے۔ روایتی اقدار، مثلاً خاندانی احترام، بزرگوں کا مقام، مذہبی حساسیت اور مقامی رواج بتدریج کمزور ہورہے ہیں یہ اثرات محض ظاہری تبدیلیوں تک محدود نہیں بلکہ نوجوانوں کے فکری ترجیحات، طرزِ گفتگو اور سماجی رویوں کو بھی تبدیل کر رہے ہیں۔

جدید تعلیمی نظام اور فکری تبدیلی

بلتستان میں اعلیٰ تعلیم کے فروغ نے مجموعی طور پر ایک مثبت علمی فضا پیدا کی ہے، تاہم گلوبلائزیشن پر مبنی نصاب، سیکولر ذہنیت اور مغربی فکری اصولوں کی بالادستی نے مذہبی و اخلاقی تربیت کے پہلو کو نسبتاً کمزور کیا ہے۔ کئی اداروں میں سلیبس کے ذریعے: لبرل ازم، سیکولرازم، انفرادی آزادی، اور مذہب کو صرف شخصی معاملہ قرار دینے جیسے خیالات بالواسطہ طور پر داخل ہو رہے ہیں۔ یہ رجحانات نئی نسل میں روایتی اسلامی اخلاقیات کے مقابل ایک متبادل فکری نظام تشکیل دے رہے ہیں, جس کے اثرات معاشرتی ڈھانچے میں واضح محسوس کیے جارہے ہیں۔

بین الاقوامی این جی اوز کا کردار

عالمی ثقافتی اثرات کے پھیلاؤ میں بین الاقوامی این جی اوز کا کردار بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

گزشتہ چند سالوں میں مختلف غیر ملکی تنظیمیں: نوجوانوں کے لیے ٹریننگ سیشن، لائف اسکل ورکشاپس، خواتین کے حقوق کے عنوان سے سیمینارز، اور سوشل ڈویلپمنٹ پروگرام کے نام پر ایسی سرگرمیوں کو فروغ دے رہی ہیں جن میں بعض اوقات اسلامی اقدار سے مطابقت کم ہوتی ہے اور مغربی طرزِ فکر کو زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے۔ کئی پروگراموں میں فیملی سسٹم کو "ذاتی آزادی" کے نام پر چیلنج کیا جاتا ہے، جینڈر رولز کو اسلامی تصور سے ہٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور نوجوانوں میں ایک ایسی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں مذہب کو سماجی وسیاسی زندگی سے الگ تصور کیا جائے۔ یہ تحریکی وفکری رجحانات رفتہ رفتہ نوجوانوں کی شخصیت، سوچ، فیصلوں اور رویوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اگرچہ تمام این جی اوز کے پروگرام منفی نہیں، لیکن کئی غیر محسوس طور پر نوجوانوں کے ذہنوں کو اسلامی اقدار سے دور اور غیر اسلامی عالمی رجحانات کے قریب لے جا رہے ہیں۔[26]

مذہبی ذوق اور دینی شناخت پر اثرات

اسلام نے بلتستان کی تہذیب کو صدیوں تک مضبوط بنیاد فراہم کی، مگر آج کے عالمی میلانات نے مذہبی ذوق کو متاثر کیا ہے۔ اب: عبادات میں پابندی پہلے جیسی مضبوط نہیں رہی، مذہبی مجالس اور دروس میں پہلے جتنا جوش نہیں، اور دینی علوم کی محبت میں کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ اس تبدیلی کی ایک بڑی وجہ ہے۔

دوطرفہ اثرات محض منفی نہیں بلکہ مثبت پہلو بھی

جدیدیت اور تیز رفتار تکنیکی ترقی نے بلتستان کے سماجی، معاشی اور ثقافتی ڈھانچے پر بیک وقت گہرے اور مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی نے نہ صرف اس خطے کی ثقافتی شناخت کو عالمی منظر نامے سے جوڑ دیا ہے بلکہ معیشت، تعلیم، صحت اور انفراسٹرکچر کے شعبوں میں بھی نمایاں بہتری پیدا کی ہے۔ ٹورزم انڈسٹری کی ترقی، رابطہ نظام کی مضبوطی، اور عالمی سطح پر بلتستان کی پہچان نے مقامی معیشت میں نئی جان ڈال دی ہے۔ اسی طرح ڈیجیٹل وسائل نے تعلیمی مواقع کو وسیع کیا، صحت کی سہولیات تک رسائی بہتر بنائی، اور مجموعی سماجی ترقی کے عمل کو مستحکم کیا۔

اس تکنیکی تبدیلی نے بلتستان کے روحانی اور تہذیبی ماحول پر بھی خاصا اثر ڈالا ہے۔ یہاں کے علماء، دانشور اور خصوصاً وہ نوجوان جو نعت، منقبت، نوحہ، مرثیہ اور تلاوتِ قرآن میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں، جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی آوازوں کو دنیا بھر تک پہنچا رہے ہیں۔ ان خوش الحان نوجوانوں کی نغمگی، ادا اور تاثیر سامعین کے دلوں کو معطر کرتی ہے اور انہیں روحانی سرشاری سے ہمکنار کرتی ہے۔ ان کی یہ فنی کاوشیں نہ صرف بلتستان کے مذہبی ورثے کا وقار بڑھاتی ہیں بلکہ عالمی سطح پر اسلامی فنون کی قدر میں اضافہ بھی کرتی ہیں۔[27]

یوں جدیدیت اور بلتستان کی ثقافتی و روحانی روایت کا یہ باہمی امتزاج اس خطے کو ایک نئی سمت عطا کر رہا ہے۔ یہ امتزاج جہاں معاشی ترقی کا باعث ہے، وہیں بلتستان کی روحانی شناخت، جمالیاتی ذوق اور تہذیبی وقار کو بھی عالمی سطح پر مزید روشن کر رہا ہے۔

نتائج تحقیق

اس تحقیق کے نتائج سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی آمد نے بلتستان کی تاریخ، تہذیب اور معاشرت پر گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔ اسلام سے پہلے کے مذہبی و تہذیبی عناصر (بدھ مت، بون اور مقامی روایات) بتدریج اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر نئی تشکیل اختیار کرتے گئے اور یوں خطے کی مجموعی ثقافتی شناخت اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھلتی چلی گئی۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ بلتستان کے سماجی نظام، خاندانی ڈھانچے، رسوم و رواج، ادب، زبان اور سیاسی رویّوں میں اسلامی اقدار نے مرکزیت حاصل کی، جس میں صوفیاء، مبلغین اور مختلف ادوار کے علماء کا نمایاں کردار رہا۔ اسلامی تعلیمات نے مقامی معاشرے میں وحدت، اخلاقی تربیت، عدل و انصاف اور روحانی وابستگی جیسے مثبت رجحانات کو تقویت بخشی۔ مزید برآں، تحقیق سے یہ بھی سامنے آیا کہ جدیدیت، عالمی ثقافتی دباؤ، میڈیا اور بعض عالمی این جی اوز کے اثرات نے بلتستانی معاشرے میں روایتی اسلامی اقدار کے تسلسل کو چیلنج کیا ہے۔ خاص طور پر نوجوان نسل میں جبری یا غیر محسوس ثقافتی تبدیلیاں جنم لے رہی ہیں، جس سے اسلامی اخلاقیات اور روایتی سماجی ڈھانچہ متاثر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

مجموعی طور پر تحقیق نے واضح کیا کہ اسلام آج بھی بلتستان کی تہذیبی شناخت کا بنیادی ستون ہے، لیکن عالمی ثقافتی رجحانات کے پیشِ نظر اس شناخت کے تحفظ کے لیے سماجی و تعلیمی سطح پر مؤثر حکمتِ عملی اور فکری بیداری کی ضرورت ہے۔

جدید ٹیکنالوجی اور عالمی ثقافت کے اثرات سے بعض جگہ مذہبی اثرات کم ہوئے، اور بعض جگہ بڑھتے ہوئے نظر آئے۔

حوالہ جات

1 محمد یوسف حسین آبادی، تاریخِ بلتستان (اسکردو: بلتستان بُک ڈپو، ۲۰۰۳)، ۲۵—۲۶۔

2 غلام حسن، تاریخِ بلتستان (میر پور: ویری ناگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۲)، ۱۲۰۔

3 احمد حسن دانی، History of Northern Areas of Pakistan (اسلام آباد: NIHCR/سنگِ میل، 2001)، 12–15۔

44 کاظمی، سید محمد عباس، خطہ قراقرم قدرتی وسائل کا خزینہ، (سکردو: ماڈرن سٹیشنری مارٹ، 2017ء)، 4/1,۔

5 احمد حسن دانی، History of Northern Areas of Pakistan (اسلام آباد: NIHCR/سنگِ میل، 2001)، 55–60۔

6 کاظمی، سید محمد عباس، خطہ قراقرم قدرتی وسائل کا خزینہ، (سکردو: ماڈرن سٹیشنری مارٹ، 2017ء)، 61۔

7، محمد قاسم نسیم، گلگت بلتستان اور مسئلہ سنگ :لاہور)، کشمیر میل 25،(ء2007، پبلیکیشنز

8 سید محمد عباس کاظمی، بلتی لوک گیت (اسکردو: بلتی کلچرل فورم، 2018)، باب 2۔

9 سید محمد عباس کاظمی، بلتی لوک گیت (اسکردو: بلتی کلچرل فورم، ۲۰۱۸)، ,50۔

10 کاظمی، سید محمد عباس کاظمی، خطہ قراقرم قدرتی وسائل کا خزینہ، (سکردو: 2017 پبلشر مادرن سٹیشنری مارٹ، 2017)، 14۔

11 کاظمی، سید محمد عباس، خطہ قراقرم قدرتی وسائل کا خزینہ، (سکردو: پبلشر مادرن سٹیشنری مارٹ، 2017)، 14۔

12 محمد یوسف حسین آبادی، تاریخِ بلتستان (2003)، 26–35۔

13 محمد یوسف حسین آبادی، تاریخِ بلتستان (اسکردو: بلتستان بُک ڈپو، 2003)، 29–32۔

14 غلام حسن حسنو، صوفیہ نور بخشیہ (خپلو: تنظیم خدام الصوفیہ، ۱۹۹۴)، ۱۴۱—۱۶۶۔

15 حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، ۲۰۰۷)، ۵۰۔

16 حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، 2007)، 130۔

17 حسرت، محمد حسن تاریخ بلتستان، (سکردو: ادارہ بلتیات، ،۲۰۰۸ء)، ۱۴۵۔

18 حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، ۲۰۰۷)، ۲۹۔

19 مولانا غلام عباس، تبلیغِ اسلام در بلتستان، (سکردو: دار المعارف، ۲۰۰۱ء)، ۹۶۔

20 حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، 2007ء)، 40۔

21 حسرت، محمد حسن، تاریخ بلتستان، (سکردو: ادارہ بلتیات، ۲۰۰۸ء)، ۸۸۔

22 گلزار احمد، بلتستان کی سیاحت اور جغرافیہ، (سکردو: سکردو پریس، ۲۰۱۸)، ۳۳۔

23 حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، ۲۰۰۷ء)، ۵۸۔

24 : محمد حسن حسرت، بلتستان تہذیب و ثقافت، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، ۲۰۰۷)، ۲۷۔

25 حسین آبادی، محمد یوسف، بلتستان پر ایک نظر، (سکردو: بلتستان ڈپو اینڈ پبلیشیرز نیا بازار، 1987)، 30۔

26 [1] محمد شمس میر، Strengthening Civil Society of Gilgit-Baltistan: A Case Study(ماسٹر تھیسز، لنڈ یونیورسٹی، ۲۰۱۰)، ۱—۲، ۲۵-

27 Kifayat Ullah, Sajjad Haider, and Gulnaz Hameed, "Examining Islamic Religiosity and Youth Perception towards Socio-Economic and Cultural Impact of Tourism Development in Gilgit-Baltistan, Pakistan", Pakistan Social Sciences Review (PSSR), Vol. X, No. Y, 2022, pp. 45-62.